ترکی میں احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دورۂ ترکی کے مشاہدات

(جناب خلیل حامدی صاحب)

(۶)

محمد الفاتح کی جامع اور درسگاہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق آج کی افطاری بھی مدرسہ امام و خطیب میں تھی۔ موفاق ملی برائے ترک طلبہ کے مرکز سے ہم سیدھے مدرسہ امام و خطیب روانہ ہو گئے۔ ہماری موٹر رواں دواں جا رہی تھی کہ استنبول کی بلدیہ کے پاس پہنچ گئے۔ اور کچھ فاصلہ آگے چلے ہوں گے کہ نائف آفندی نے سڑک کے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ جامع محمد الفاتح ہے۔ اس جامع کو اندر سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ گو جی چاہتا تھا کہ جو شخصیت تاریخ میں استنبول کی روحِ رواں رہی ہے اُس کی اپنے نام سے تعمیر کردہ مسجد کے خدوخال کی بھی زیارت ہو جائے، مگر وقت کی تنگی آڑے آئی۔ البتہ مسجد کی ملحقہ عمارات اور حدودِ اربعہ پر طائرانہ نگاہ ڈالنے کا موقع نکال ہی لیا۔ اس مسجد کا خصوصی وصف یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک بہت بڑی تعلیمی درسگاہ بھی تھی۔ اس درسگاہ کی عمارتیں اب بھی موجود ہیں اور کسی بہت بڑی یونیورسٹی کا پتہ دیتی ہیں۔ آستانۂ خلافت میں اس درسگاہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ محمد الفاتح محض صاحبِ سیف و سنان ہی نہ تھا، علم و ادب کا قدردان بھی تھا۔ اپنی مسجد کے ساتھ اس نے علم و ادب کی اعلیٰ درسگاہ قائم کر کے اسلامی تاریخ کے ان حکمرانوں کی مثال قائم کی جن کے ایک ہاتھ میں دستۂ علم تھا اور دوسرے ہاتھ میں دفترِ علم۔ مگر اب درسگاہ محمد الفاتح ویرانہ میں تبدیل ہو چکی ہے۔ صرف خالی عمارتیں باقی ہیں۔ جب ایا صوفیا کو میوزیم بنایا گیا تھا (۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء) تو جامع محمد الفاتح کو گودام بنا دیا گیا۔ یہ زیادتیاں کسی غیر مسلم فاتح سے تو متوقع ہو سکتی ہیں لیکن ایک مسلمان ملک میں ان کا ارتکاب مصطفیٰ کمال کے عہد میں کیا گیا! ایا صوفیا کو مسجد سے میوزیم میں تبدیل کرنے کی وجہ تو پھر بھی یہ ہو سکتی تھی کہ یہی لوگ

کو راضی کرنا مقصود تھا۔ مگر مسجد محمد الفاتح کو کس کی رضا جوئی کے لیے گودام بنایا گیا۔

عمل پسند قوم

مدرسہ امام خطیب میں کل کی طرح آج بھی افطاری پر گروہِ کثیر جمع تھا۔ افطاری کے بعد حسبِ معمول تقریروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آج بھی مجھے تقریر کے لیے مجبور کیا گیا۔ پہلے تو تقریر کی دعوت میرے لیے "بلائے ناگہانی" تھی مگر اب یہ کیفیت ہو گئی کہ جونہی چھوٹے یا بڑے اجتماع کا سامنا ہوا، ذہن نے یہ سمجھ کر کوئی نہ کوئی موضوع تراشنا شروع کر دیا کہ ترک بھائی تقریر کے بغیر معاف نہیں کریں گے۔ لیکن معاملہ اگر محض تقریر اور سخن سازی پر ٹل سکتا ہو تو بھی قابلِ برداشت ہے۔ اور انسان حُسنِ مخلص کی تدبیر کر سکتا ہے۔ مگر یہاں ہندوستان اور پاکستان کی طرح چرب زبانی سے کام لینا اور لچھے دار تقریر جھاڑ دینا مشکل میں بھی مبتلا کر سکتا ہے۔ ترک قوم آج کل کے عربوں کی طرح باتونی نہیں ہے بلکہ عملی قوم ہے۔ ترکوں کے سامنے اگر مؤثر تقریر کر دی جائے تو اُن کے جذبات بھڑک اُٹھتے ہیں اور وہ فوراً عمل کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ترک طبعاً ایسے علم الکلام سے واقف نہیں ہیں جس کی تان زبان و بیان پر ٹوٹ جاتی ہو، بلکہ وہ صرف اس علم الکلام کو جانتے ہیں جس کے قلابے گرز و میدان سے ملے ہوئے ہوں۔ راقم الحروف کو ترکوں کی عمل پسندی کا ایک واقعہ یاد ہے۔ ہمارے ایک عرب دوست استاذ محمود مہدی استانبولی بڑے صاحبِ جذبہ آدمی ہیں۔ دمشق کے ماہنامہ "التمدن الاسلامی" کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اسی رسالے میں انہوں نے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حج کے زمانے میں انہوں نے حاجیوں کے بحری جہاز کے اندر لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کی۔ حجاج کے اندر ترکوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ تقریر میں انہوں نے دنیائے اسلام کی حالتِ زار اور بالخصوص المیۂ فلسطین پر وضاحت سے روشنی ڈالی اور تمام حاضرین سے اور علی الخصوص ترکوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اسرائیل کے ساتھ قطعاً تعاون نہ کریں، کیونکہ اسرائیل سے تعاون کرنا اسلام کے منافی ہے۔ جہاد کی ضرورت پر بھی انہوں نے زور دیا۔ اس تقریر کے بعد انہوں نے اپنے ایک ترکی داں ساتھی سے کہا کہ وہ اس تقریر کا ترکی ترجمہ پیش کریں۔ چنانچہ ان صاحب نے بڑے مؤثر اور جذبہ انگیز انداز میں ترک حجاج کے سامنے تقریر کا ترجمہ پیش کیا۔ تقریر سن کر تمام ترک حاجی مترجم کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے کہا کہ جب ہم نے اپنے وطن سے کوچ کیا تھا تو ہم یہ وصیت کر آئے تھے کہ واپس نہیں آئیں گے۔ یا حضرت مولانا چلیے، ہم آپ کی

قیادت میں جہاد کریں گے“۔ یہ رنگ دیکھ کر مترجم کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ کہنے لگے: ”محمود صاحب آپ نے مجھے سخت مشکل میں پھنسا دیا۔ میں تو سمجھا تھا کہ معاملہ صرف ایک تقریر کر دینے کا ہے اور بس مگر یہ لوگ تو سچ مچ لڑنے مرنے پر اتر آئے ہیں اور بات سنجیدگی اختیار کر گئی ہے۔ ترک قوم تو مذاق اور زبان آرائی نہیں جانتی“[1] یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ محمود صاحب اور اُن کے ساتھی نے ترک حاجیوں سے کس طرح جان بخشی کروائی۔ مگر یہ واقعہ ترکوں اور عربوں دونوں کے ملی کردار کا عکس پیش کرتا ہے۔

اسلامی تعلیم کا شوق راقم الحروف نے افطاری کے بعد مختصر تقریر کی۔ اس مرتبہ ترجمانی کے فرائض الٰہیات فیکلٹی کے ایک پروفیسر صاحب نے سرانجام دیے۔ نام تو اُن کا یاد نہیں رہا مگر موصوف ازہر یونیورسٹی (قاہرہ) کے گریجویٹ ہیں اور نہایت فصیح اور شستہ عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔ اُن کا یہ فقرہ ابھی تک میرے دل پر نقش ہے کہ ”ترکوں کے اندر اسلامی شعور از سرِ نو ابل پڑا ہے“۔ مترجم چونکہ عربی دان تھا اس لیے میں نے تقریر بھی عربی زبان میں کی۔ میں کل سے سُن رہا تھا کہ مدارس امام وخطیب کے فارغ شدہ طلبہ کو تکمیلِ تعلیم میں بڑی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ الٰہیات فیکلٹی ایک محدود تعداد سے زیادہ طلبہ کو نہیں لیتی جب کہ ہر سال ان مدارس سے ہزارہا کی کھیپ فارغ ہو رہی ہے۔ دوسرے کالجوں کے دروازے بھی ان پر بند ہیں۔ حالانکہ ذہنی اور علمی استعداد کے لحاظ سے یہ طلبہ گورنمنٹ کے سیکولر اسکولوں کے طلبہ کی نسبت بہت بلند تر ہیں اور اسی ”شوخ طبع“ کی وجہ سے ملک کی سرکاری یونیورسٹیاں انہیں لینے سے گریز کر رہی ہیں[2]۔ میں نے اپنی تقریر میں پاکستان کے نظامِ تعلیم پر روشنی ڈالی اور پاکستان میں اسلامی تعلیم اور پاکستانی یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات کے حدود اربعہ بیان کیے۔ یہ اشارہ بھی کر دیا کہ پاکستان میں اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے مواقع موجود ہیں اور پاکستانی مسلمان ترک طلبہ کا خیر مقدم

[1] ماہنامہ التمدن الاسلامی، دمشق۔ ج ۴۲ شمارہ اپریل ۷۵ء

[2] ان مدارس کی تنظیموں اور حکومت کے درمیان مدت سے جھگڑا چل رہا تھا۔ ان تنظیموں کا مطالبہ تھا کہ مدرسہ امام وخطیب کے فارغ شدہ طلبہ کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ جس کالج میں چاہیں داخلہ لے سکیں اور اگر حکومت کو ان کی صلاحیتوں میں کچھ شبہ ہو تو وہ دوسرے طلبہ کے ساتھ ان طلبہ کا امتحانی مقابلہ کرا سکتی ہے۔ میں ترکی ہی میں تھا کہ یہ خبر مل گئی کہ حکومت نے مدارس امام وخطیب کی تنظیموں کا مطالبہ تسلیم کر لیا ہے اور اب وہ ہر کالج میں داخلہ لے سکتے ہیں۔

کریں گے۔ تقریر کے بعد میں بھی اُسی مشکل میں پھنس گیا جس میں دمشق کے محمود مہدی استانبولی اور اُن کے ساتھی پھنس گئے تھے۔ مدرسہ امام وخطیب کے نہ صرف طلبہ کی ایک تعداد بلکہ بعض اساتذہ تک بھی پاکستان جانے کے لیے تُل گئے بلکہ پابہ رکاب ہو گئے۔ اُن کے جذبۂ بے اختیارِ شوق کو دیکھ کر راقم الحروف کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور دل نے بہ آہِ سرد کہا اے کاش! پاکستان ان شیروں اور شیرزادوں کو فراخ دلی سے اپنے ہاں جگہ دینے کے لیے تیار ہوتا اور یہ اکتسابِ علم کے لیے پاکستان کے دروازے بے تکلّف کھلے ہوئے پاتے۔ ترکوں نے قرنوں اسلام اور ملّتِ اسلامی کی پاسداری کی ہے۔ اب کچھ تو اس احسان مندی کا لحاظ ہو۔ طلبہ اور اساتذہ نے مجھے بتایا کہ "اگر ہم مغربی ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جائیں تو ہمیں ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں لیکن اگر ہم اسلامی ممالک میں تعلیم کے لیے اور بالخصوص اسلامی تعلیم کے لیے جانا چاہیں تو ہزاروں موانع سامنا کرتے ہیں" ترکوں ہی پر کیا موقوف جو مسلمان بھی زہرِ ہلاہل کو قند کہنے سے انکار کرے گا ایسی رکاوٹوں سے دوچار ہو گا۔

مغرب کی نماز پڑھی تو یوسف صالح قرجہ بھی آ گئے۔ مدرسہ امام وخطیب کے پرنسپل صاحب نے پیشکش کی کہ میں مدرسہ کی عمارت اور نظام کو دیکھوں۔ پیاسے کو آبِ زلال کی پیشکش مل گئی۔

مدرسہ امام وخطیب کی تفصیلات مدرسہ امام وخطیب کی یہ عمارت محمد الفاتح کی مسجد کے قریب ہے۔ یوسف صالح قرجہ کے الفاظ میں "جامع محمد الفاتح کا قرب مدرسہ امام وخطیب کے طلبہ کو اپنے شاندار ماضی کی یاد دلاتا رہتا ہے"۔ یہ عمارت پانچ منزلہ ہے اور جدید ترین طرز پر بنی ہوئی ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱۱سو میٹر ہے۔ ایک ہزار تین سو طلبہ ہیں اور ۵۰ اساتذہ ہیں۔ مدرسہ کا اپنا شفاخانہ ہے۔ لائبریری، دار المطالعہ اور مطبخ کا نظام معیاری ہے۔ درسگاہیں نہایت صاف اور پُرسکون ہیں۔ طلبہ کے لیے نشستوں کا انتظام جدید تقاضوں کا عکاس ہے۔ ہوسٹل صفائی اور نظم اور سلیقہ کے لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ بستروں اور آہنی چارپائیوں کی یکسانیت قابلِ دید ہے۔ ضرورت مند طلبہ کے لیے لباس نصابی کتب اور طبّی امداد مفت مہیا کی جاتی ہے دوسری منزل پر ایرکنڈیشنڈ مسجد ہے۔ نماز باجماعت اور تجوید وقرأت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ ہوسٹل کے ہر حصے میں ایک نگران مقرر ہے جو طلبہ کے نظم ونسق کا ذمہ دار ہی نہیں اُن کی اخلاقی اور معاشرتی تربیت کا ذمہ دار بھی ہے۔ مطبخ جدید ترین سامان سے لیس ہے۔ برتن خوش ذوقی کا آئینہ اور کھانے کی

میزیں اور اُن کی ترتیب عسکری رُوح سے لبریز۔ کھانے کی تیاری کے لیے باتنخواہ طباخ اور تقسیم کیلئے طلبہ کی باری باری ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ غسل خانوں اور طہارت خانوں کی افراط ہے۔ طلبہ کو اساتذہ سے عقیدت اور اساتذہ کو طلبہ سے محبت اور دونوں مدرسۂ امام وخطیب کی ترقی وعروج کے طلبگار۔ یوسف صالح قرجہ نے بتایا کہ اس مدرسہ میں طلبہ کے اندر کبھی دنگا فساد نہیں ہوا۔ چوری اور خیانت کے حادثات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایثار و اخوت کی بھرپور فضا اور تلاوتِ قرآن کی کثرت دلوں کو نصب العین سے ہمہ وقت مربوط رکھتی ہے۔ شہر کے مسلمان بھی ان طلبہ کو حقارت کی نظروں سے دیکھنے کے بجائے عزت و احترام سے پیش آتے ہیں۔ اور انہیں مستقبل کی امید گردانتے ہیں۔ میرے ایک ساتھی عبدالقادر سیزگین اس مدرسہ کے فارغ ہیں۔ مختلف کلاسوں سے ہوتے ہوئے جب ہم اُن کے کلاس روم میں پہنچے جہاں وہ خود مدرسہ کی تعلیم کا آخری سال گزار چکے ہیں تو وہ بے محابا اپنی نشست کی طرف لپکے اور پرانی یاد تازہ کرنے کے لیے وہاں جا بیٹھے۔ ۲۵ سال کا یہ باریش نوجوان نشست پر بیٹھتے ہی اشکبار ہو گیا۔ اس کے یہ آنسو خوشی کے آنسو تھے "اے میری پیاری درسگاہ، خدا تجھے ہر جہت ترقی سے ہمکنار کرے۔ تُو نے مجھے دین سے آشنا کیا۔ مادہ پرستی کے سیلاب کے اندر مجھے روحانی لذت سے آشنا کیا۔ اے میرے پیارے بنچ، اے میرے محبوب ڈیسک، اے میری نگاہوں کے مرکز تختۂ سیاہ، اے زمین، اے چھت، مَیں تمہارا احسان اور تمہاری محبت کبھی فراموش نہیں کر سکتا"۔ عبدالقادر سیزگین بے خود تھے۔ نائف آفندی نے اُن کے کندھے پر ہاتھ ملتے ہوئے کہا کہ "آفندم ہمیں جلدی ہے۔ یہ عثمانی تھیٹر نہیں ہے۔ پھر کبھی دل کی بھڑاس نکال لیجیے"۔ عبدالقادر سیزگین عثمانی تھیٹر میں کام کرتے ہیں۔ اس تھیٹر میں عثمانیوں کی تاریخ اسٹیج کی جا رہی ہے۔ عثمانیوں سے محبت و عقیدت کے اظہار کے لیے ترک نوجوان گوناگوں اور بوقلموں طریقے ایجاد کر رہے ہیں۔ یوسف صالح قرجہ اور دوسرے احباب کی معیت میں مدرسۂ امام وخطیب کے اہم حصوں اور شعبوں کو دیکھا۔ لائبریری میں کچھ دیر استراحت کی اور کتابوں کا جائزہ لیا۔ زیادہ تر کتابیں لاطینی رسم الخط میں ہیں۔ عربی رسم الخط کے بھی کچھ نسخے ہیں۔ عربی زبان میں تفسیر اور حدیث کی چند کتابیں بھی موجود ہیں۔ ایک ثانوی اسکول کی لائبریری کے لیے جس طرح کے ذخیرۂ کتب کی ضرورت ہوتی ہے وہ کسی حد تک مہیا ہے۔ اس سے استفادہ کرنے والے زیادہ تر

اساتذہ ہیں۔ لائبریری کے انچارج نے بتایا کہ طلبہ کو لائبریری سے استفادہ کے لیے باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے مولانا مودودی مدظلہ العالی کی کتابوں کے ترکی تراجم بھی لائبریری میں موجود ہیں۔

مذہبی تعلیم کا آغاز کب ہوا اتنا بڑا ادارہ حکومت کی امداد پر نہیں بلکہ عامۂ مسلمین کی امداد پر چل رہا ہے۔ ۱۹۵۰ء تک ترکی میں "مذہب کی دیکھ بھال" حکومت کا محکمۂ امورِ مذہبی کرتا تھا۔ مصطفیٰ کمال نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد شیخ الاسلامی کے منصب کو ختم کردیا، اور وزارتِ اوقاف کو (۲ مارچ ۱۹۲۴ء میں) توڑ کر اُسے وزارتِ تعلیم میں مدغم کردیا۔ اور "مذہب کی نگرانی" کے لیے محکمہ امورِ دینی قائم کردیا۔ مگر اس محکمہ کے ساتھ ترکی کی سیکولر حکومت نے عملاً ایسا برتاؤ کیا کہ وہ بالکل بے جان محکمہ بن کر رہ گیا۔ ۱۹۵۰ء تک مذہب پر ہر سُو خزاں کے بادل چھائے رہے۔ اس کے بعد سیاسی حالات میں جب تبدیلی کا آغاز ہوا تو معاشرتی زندگی بھی اس سے متأثر ہونے لگی اور ترک مسلمانوں نے اوّلین فرصت میں اپنے مذہب کی طرف دھیان دیا۔ اسی دَور کی بات ہے کہ ۱۹۵۱ء میں "اشاعت علم" کے نام سے ایک انجمن کی تاسیس ہوئی۔ مدرسۂ امام و خطیب اسی رفاہی انجمن کی ایک کوشش ہے۔ ترکی میں احیائے اسلام کی موجودہ مساعی کے اندر انجمن اشاعتِ علم کا بھی قابل قدر کردار ہے۔

انجمن اشاعت علم اور اس کی خدمات ۶۸ ارکان سے انجمن اشاعتِ علم کا آغاز ہوا اور ایک غیر سیاسی ثقافتی اور رفاہی ادارے کی حیثیت سے اُس نے کام کی طرح ڈالی۔ اب اُس کے ارکان ہزاروں سے متجاوز ہیں اور ہر طبقے اور گروہ کی نمائندگی اسے حاصل ہے۔ سب سے پہلا کارنامہ اس انجمن کا یہ ہے کہ اس نے عوام کے چندے سے ایک شرعی مدرسے کی بنا ڈالی اور اب ترکی کے گوشے گوشے میں مدارس شرعیہ قائم ہو چکے ہیں[1] جنھیں مدارس امام و خطیب کہا جاتا ہے۔ خود انجمن کی اب ۲۰ سے زائد شاخیں ہیں اور بہت بڑا بجٹ اس کے تصرف میں ہے۔ اس کے صدر ایک پرانے فوجی کرنل جمال قرہ بکر ہیں۔ نائب صدر ایک وکیل ہیں۔ انتظامیہ کے ارکان میں زیادہ تر تعداد وکلاء اور انجنیئر اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی ہے۔ اس سے آپ اندازہ

[1] ان مدارس کی موجودہ تعداد ۷۰ ہے اور اس میں زیرِ تعلیم طلبہ کی کل تعداد ۲۴ ہزار ہے۔ ترکی کے اندر دینی تعلیم کے موجودہ نظام کا مفصّل ذکر اگلی قسطوں میں آئے گا۔

کر سکتے ہیں کہ دین کے احیاء میں دلچسپی صرف قدیم طبقے کو ہی نہیں ہے بلکہ جدید طبقہ میں بھی اس کا شدید احساس ابھر رہا ہے۔

استنبول کے مدرسۂ امام وخطیب کا آغاز ۲۰ طلبہ سے ہوا اور اب ایک ہزار ۳ سو طلبہ تک تعداد جا پہنچی ہے۔ پہلے یہ ایک کرائے کی عمارت میں تھا اور اب جس وسیع وضخیم عمارت میں ہے یہ اس کی اپنی ملکیت ہے اور ۲۰ لاکھ ترکی پونڈ سے تیار ہوئی ہے۔ پھر بھی ناکافی ہو رہی ہے۔ طلبہ کی رہائش کے لیے ۶۰ ہزار ترکی پونڈ کے سالانہ کرائے سے ایک اور ملحقہ عمارت حاصل کی جا چکی ہے۔ انجمن اسلامک انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ اور یونیورسٹیوں کے دیگر طلبہ کی بھی امداد کرتی ہے۔ یونیورسٹی کے طلبہ کے لیے انجمن نے ایک الگ ہوسٹل تعمیر کر دیا ہے جس کا رقبہ ۱۵ سو میٹر اور کل مصارف ۲۰ لاکھ ترکی پونڈ ہیں۔ مذہب، معاشرت، قانون اخلاق، ادب اور صنعت وزراعت کے میدان میں بھی انجمن کی قابل تعریف خدمات ہیں۔ معاشرتی امراض خصوصاً جوئے اور شراب کے خلاف انجمن نے آج کل خاصی زوردار مہم چلا رکھی ہے۔

روزنامہ بگُن اور اس کے ایڈیٹر مدرسۂ امام وخطیب سے فارغ ہو کر ہم روزنامہ بگُن کے دفتر میں گئے۔ بگُن کے ایڈیٹر جناب محمد شوکت ایگی سے ملاقات ہوئی۔ موصوف روزنامہ بگُن کے ساتھ روزنامہ صباح بھی چلا رہے ہیں۔ دونوں کی اشاعت بہت وسیع ہے۔ صرف بگُن کی اشاعت ۸۰ ہزار ہے۔ نہ صرف ترکی بلکہ پورے یورپ کے صیہونی اور سامراجی حلقے بگُن پر سیخ پا ہو رہے ہیں۔ لندن کا مشہور یہودی پرچہ جیوش کرانیکل تو بار بار بگُن کے خلاف خطرے کی گھنٹی بجا رہا ہے۔ محمد شوکت ایگی جواں سال اور جواں ہمت صحافی ہیں۔ انگریزی میں بات چیت کر لیتے ہیں۔ عربی سمجھتے ہیں بول نہیں سکتے۔ ترکی زبان کے آتش بیان ادیب ہیں۔ ترکی کے ملحد اور لادین طبقے اور دونما اور یہودیوں کے خلاف تند و تیز جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے مولانا محترم کی خیریت دریافت کی اور واپسی پر مولانا کے پروگرام کی تفصیل پوچھی۔ پاکستان کے سیاسی مسائل، المیۂ فلسطین اور ترکی کی اسلامی تحریک کے موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ ان دنوں پاکستان میں شدید ہنگامے ہو رہے تھے۔ عرب اور مسلمان ممالک کے اکثر صحافیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ پاکستان کے صحیح حالات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ سعودی عرب میں روزنامہ المدینہ کے سوا کسی پرچے کے اندر پاکستان

کے حالات کا صحیح تجزیہ نہیں دیکھا۔ مصری اخبارات نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ وہ پاکستانی خبروں کو اہمیت نہیں دیں گے۔ انہیں ہندوستان سے جو عشق ہے وہ پاکستان کی طرف اُن کو ملتفت نہیں ہونے دیتا۔ بیروت کا الحیاۃ پاکستان کی خبریں اندر کے صفحات میں شائع کرتا ہے مگر نہایت سطحی طور پر۔ پاکستانی سفارت خانے کی بدولت وہ پچھلے دس سال میں ایوب صاحب کی "حکومت راشدہ" کے قصیدے پڑھتا رہا ہے۔ جو لوگ فی الواقع پاکستان سے قلبی تعلق رکھتے ہیں وہ بھی پاکستانی سیاست کو ظاہری سطح سے آگے کچھ نہیں جانتے۔ ترکی کے دوسرے صحافیوں کا تو مجھے اندازہ نہیں ہے مگر بگُن کے ایڈیٹر محمد شوکت ایجی کو پاکستانی سیاست پر گہری نظر حاصل ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی اشتراکیت نوازی پر خوب روشنی ڈالی اور ان کے اس زمانے کے حالات سنائے جب وہ وزیر خارجہ تھے۔ یہاں تک کہہ گئے کہ پاکستان کے آنے والے دس سال اس ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ فری میسن اور یہودیوں کی بین الاقوامی سازشوں سے باخبر ہونے کی وجہ سے مجھے بار بار متوجہ کرتے رہے کہ پاکستان بھی ان کی سازشوں سے محفوظ نہیں ہے۔ بتانے لگے کہ ترکی میں خلافت کا خاتمہ اور لادینیت کا ظہور فری میسن اور یہودیوں کی دسیسہ کاریوں کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے بتایا کہ جب سے میں نے ان دونوں کے خلاف آواز اُٹھا رکھی ہے یہ مجھے طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے قابو کرنے کے درپے ہیں۔ بلکہ یہودی تو مجھے کئی لاکھ کی رشوت پیش کر چکے ہیں تاکہ میں اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے سے دستبردار ہو جاؤں۔ موصوف عربوں پر بہت برستے رہے اور اُن کی کوتاہ ہمتی، باہمی کشمکش، اخلاقی انحطاط اور خلافِ اسلام نظریات پر فریفتگی پر افسوس کا اظہار کرتے رہے۔

اسرائیل اور ترک مسلمان مسئلہ فلسطین کے بارے میں اس نوجوان متحرک صحافی کے خیالات ملاحظہ ہوں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے یوم فلسطین کے موقع پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کیا ہے:

"پچھلے سال اسی تاریخ کو اسرائیل نے نہایت وحشیانہ طریقے سے سرزمین عرب پر قبضہ کر لیا اور پرامن آبادی کے اندر اس نے قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور ہزاروں باشندوں کو ظالمانہ طور پر ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔ اسرائیل کی یہ جارحانہ کارروائی اُن فراخدلانہ امدادوں کی بدولت عمل میں آئی ہے جو امریکہ، برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی سے اُسے جدید ترین ہتھیاروں

اور ناپام بموں کی شکل میں مل رہی ہے"۔

"حقیقت یہ ہے کہ اسرائیل آج صرف عرب ممالک کے لیے ہی ایک خطرہ نہیں ہے بلکہ اُس کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ شرق اوسط کے پورے علاقے کے لیے جس میں خود ترکی بھی شامل ہے عظیم خطرہ بن رہا ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ فقرہ لکھا ہوا ہے کہ "اسرائیل کی جغرافیائی حدود نیل سے فرات تک ہیں"۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ دریائے فرات جس کا نصف حصہ عرب کے اندر ہے اور نصف ترکی کے اندر اسرائیل کی جوع الارضی کا ہدف ہے۔ اس حقیقت سے صیہونی پریس اور اُس کے ہم سفر قطعاً انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ترکی کے بعض یہودی سرمایہ داروں نے ابھی سے شامی سرحدوں سے متصل علاقوں مثلاً مرسین، آدنہ اور اسکندرونہ کے اندر زمینیں خریدنی شروع کر دی ہیں اور وہاں کارخانے اور تجارتی مراکز کھولنے شروع کر دیئے ہیں کیونکہ یہ علاقے اسرائیل کی سرحدوں سے ملتے ہیں"۔

"یہ بات بڑی المناک ہے کہ بحر ابیض کے اندر یہودیوں کی دو بہت بڑی کالونیاں ہیں۔ ایک روشچائلڈ کی سرزمین فرانس اور دوسرے ترکی۔ ترکی میں ۴۵ ہزار یہودی ہم مسلمانوں کے بل بوتے پر جی رہے ہیں، اور خود ہمارا خون چوس رہے ہیں، ترکی کی فری میسن لاج، لائنز کلب اور روٹری کلب ان یہودیوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ یہ یہودی ہمارے ملک کی صحافت اور نشر و اشاعت کے وسائل و ذرائع کے واحد اجارہ دار بن کر بیٹھے ہوئے ہیں ترکی کے اخبارات نے (جنہیں بظاہر مسلمان چلا رہے ہیں) روزنامہ بگُن کے سوا اسرائیل کے خلاف ایک سطر تک نہیں لکھی۔ حتیٰ کہ بعض اخبارات جو دائیں بازو کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی رگ رگ ترکی کے مشہور یہودی سرمایہ دار اردن ماجور کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں کے بنک، درآمدی و برآمدی ادارے، اخبارات، نصابی کتابیں، انشورنس کمپنیاں تمام تر یہودیوں اور فری میسنریوں کے قبضہ میں ہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جو ترک مسلمانوں کو

ندامت اور شرمندگی سے پانی پانی کر رہی ہے۔

"مزید برآں اسرائیلی جارحیت کسی معین حد تک جا کر رک جانے والی نہیں ہے یہودیوں کے توسیع پسندانہ عزائم مملکت داؤد کو بحال کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی حدود فرات سے نیل تک بتائی جاتی ہیں۔ گویا یہ مملکت اُن مسلمانوں اور عربوں کو بے گھر کرکے وجود میں لائی جائے گی جو تیرہ سو سال سے وہاں آباد ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہودیوں کی یہ تمام کارروائیاں بین الاقوامی قزاقی سے عبارت ہیں۔"

"یہ صورت حال کب تک برداشت کی جائے گی؟ ترکوں کے دل اپنے عرب بھائیوں کے دوش بدوش دھڑک رہے ہیں۔ عرب ہمارے دینی بھائی ہیں بیت المقدس صرف عربوں کا شہر نہیں ہے بلکہ وہ تمام اسلامی دنیا کی میراث ہے۔ کامیابی کا صرف ایک ہی راستہ ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور عربوں اور ترکوں کے اندر از سر نو اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کی جائے۔ میں اپنے تمام دینی بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ متحد ہو جائیں۔ ہم غصب شدہ علاقوں سے یہودیوں کو صرف اتحاد کے ذریعہ ہی نکال سکتے ہیں۔"

"اے ترک بھائیو! یہ نہ سمجھو کہ اسرائیل ہم سے بہت دور ہے۔ بلکہ وہ ہمارے بہت نزدیک ہے۔ وہ ہمارے اندر پھل پھول رہا ہے۔ وہ ہمارے مال لوٹ رہا ہے، ہمارا استحصال کر رہا ہے اور ہماری سرحدوں سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسرائیل نے اب (خدانخواستہ) مدینۂ منورہ کی طرف بھی جھانکنا شروع کر دیا ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی تمام میدانوں میں اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیں۔ آج قلم اور زبان سے اس کے خلاف آغاز جنگ کر دیں اور کل ہتھیاروں کے ساتھ اس کے مقابلے میں ڈٹ جائیں یہاں تک کہ سلب شدہ علاقے آزاد ہو جائیں۔ اور ہمارا بیت المقدس ہمیں مل جائے۔ انشاء اللہ"

یہ اُس ترک صحافی کے جذبات و خیالات ہیں جس کے بھائی بند چند سال قبل قبرص کی جنگ میں اُن ہتھیاروں سے زخم کھا چکے ہیں جو مصر نے مکاریوس کو فراہم کیے تھے۔ ترکی کے ملاحدہ اور قوم پرست عربوں کے حق میں کوئی ہمدردی نہیں رکھتے۔ یہ صرف عام مسلمان ہیں جو اسلامی اخوت اور اسلامی رشتہ کو ہر قیمت پر ترجیح دیتے ہیں۔ شریف حسین، غازی فیصل اور عرب قوم پرست اگر زندہ ہوتے تو وہ دیکھ لیتے کہ انگریزوں کی چالوں اور کرنل لارنس کے مشوروں نے جس قوم کے خلاف انہیں کھڑا کر دیا تھا وہ اس سزا کی مستحق نہ تھی کہ اس کے چند غلط اندیش لیڈروں کی نازیبا کارروائیوں سے بھڑک کر اُس قوم کی عورتوں اور بچوں کا قتل عام کیا جاتا، اس کی ٹرینوں کی ٹرینیں ڈائنامیٹ سے اڑا دی جاتیں اور صحراؤں کے اندر اُس کے گوشت کے ٹکڑے بکھیرے جاتے۔ مگر اب ترک مسلمان اس داستان سینہ فگار کو بھول جانا چاہتا ہے۔ عربوں کو بھی اب عقل کے ناخن لینے چاہئیں۔

مولانا محترم کا انتظار شوکت صاحب کے دفتر کی ہر چیز نہایت قرینے اور ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔ باہر اگرچہ سردی انتہائی شدید تھی مگر دفتر کو اندر سے ہیٹروں نے خوب گرم کر رکھا تھا۔ بُگن اور صباح دونوں کا سٹاف نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اس گفتگو میں سٹاف کے اور بھی متعدد ارکان شریک تھے۔ مولانا رومیؒ کی برسی اور مدرسہ امام و خطیب میں میری تقریروں کو بُگن نے صفحہ اوّل پر شائع کیا تھا، اور اب وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ مولانا محترم ترکی میں آئیں اور بُگن ان کی آمد پر خصوصی نمبر نکالے۔

اسلامی صحافت وقت کم ہو اور آرزوئیں لامحدود۔ ایسی صورت میں جو قلبی کیفیت ہوتی ہے وہی یہاں تھی۔ بے ربطی کے ساتھ بہت سی اِدھر اُدھر کی باتیں ہوگئیں۔ اصل چیز جس نے دل پر بے پناہ اثر چھوڑا وہ یہ تھا کہ اگر صحافت اور تعلیم کو نوجوان خون اسی طرح میسّر آتا رہا تو وہ دن دور نہیں کہ یہودی صحافت کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ ماضی قریب کی بات ہے کہ احمد امین یلمان کا وطن اخبار ترکی کی زبان سمجھا جاتا تھا حالانکہ احمد امین دونما گروہ سے تعلق رکھتا ہے، اور آج بھی روزنامہ جمہوریت اور حریت وغیرہ یہودی سرمائے کے شاخسانے ہیں۔ مگر عربی محاورہ کے مطابق انّ فی العرین اُسودا۔ اس کچھار میں اور شیر بھی ہیں استنبول کا روزنامہ بُگن، روزنامہ صباح اور روزنامہ اتحاد اسلامی جریدے ہیں۔ اور ۶۰ اور ۸۰ ہزار کے درمیان ان

میں سے ہر ایک کی یومیہ اشاعت ہے۔ انقرہ کا ماہنامہ ہلال اور ماہنامہ حق سیٹس (صدائے حق) اور ماہنامہ سوئمنز (خاموش نہیں رہ سکتا) اور ماہنامہ الہٰی نور (نور خدا)، استنبول کا ماہنامہ اسلام مدنیت (تمدن اسلام) اور حرکت اور اس طرح دوسرے ماہنامے کثیر تعداد میں چھپ رہے ہیں۔ اسلام پسند جوان امڈ امڈ کر صحافت کے میدان میں قدم رکھ رہے ہیں۔ عدالت پارٹی کے روزنامہ عدالت اور ایک آزاد اخبار ترجمان میں بھی اسلام پسند صحافیوں کو دخل حاصل ہے۔ نجیب فاضل کی نظمیں اور احمد قبقلی ایڈیٹر ترجمان کے غیر جانبدارانہ تبصرے ادبی و سیاسی زندگی پر خوب اثر انداز ہو رہے ہیں۔ بایں ہمہ پریس کی باگ ڈور ملاحدہ کے ہاتھ سے چھیننے کے لیے محنت، وقت اور قربانی کی وافر مقدار درکار ہے۔ ترکی کے ملحد پریس کو مغربی پریس کا تعاون حاصل ہے۔ خدا ترک مسلمان کو یہ ہمت دے کہ وہ اس دُہری جکڑ بندی سے نجات پا سکیں۔

دعاء اسلامی تحریکوں کا مشترک ہتھیار رخصت ہوتے وقت جناب محمد شوکت ایلچی نے راقم الحروف کو استاذ بدیع الزمان نورسی مرحوم کی مطبوعہ دعاؤں کے مجموعے کا ہدیہ پیش کیا۔ دعاؤں کی کتابوں سے مجھے بڑی دلچسپی ہے۔ میرے پاس اخوان المسلمون کے بانی مرحوم حسن البنّا کا مرتب کردہ مجموعہ، سنوسی اعظم کا مجموعہ، عبدالعزیز بن سعود کی ادعیۂ مسنونہ کے مجموعے بھی موجود ہیں۔ اسلامی تحریک ان چیزوں سے کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ آنحضور کا فرمان مبارک ہے کہ الدعاء سلاح المومن (دعا مومن کا ہتھیار ہے) ترکی میں دعاؤں اور مناجاتوں کا بڑا رواج ہے۔ ہر نماز کے ساتھ لوگ پابندی سے کئی کئی دعائیں بآواز بلند پڑھتے ہیں۔ بدیع الزماں نورسی مرحوم کی دعاؤں کا مجموعہ جو کافی ضخیم ہے ایک طرف اللہ کی کبریائی اور قہاری و جبروت کے اعتراف سے بھرپور ہے اور دوسری طرف بندے کی بے بسی اور عجز و درماندگی کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے۔ یہ دعائیں بدیع الزماں مرحوم کے معمولات میں سے تھیں۔ ان دعاؤں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جادو اثر شخصیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس حد تک لگاؤ رکھتی تھی۔ مرحوم کے پیرو جنہیں طلبۂ نور کہا جاتا ہے۔ بالالتزام ان دعاؤں کو نماز پنجگانہ میں دہراتے ہیں۔ اور بڑے والہانہ انداز کے ساتھ ان کا ورد کرتے ہیں۔ ترکی کی اسلامی تحریک کا یہ پہلو مجھے بہت پسند آیا۔ اخوان المسلمون میں بھی "ورد رابطہ" کے نام سے ایک دل گداز اجتماعی دُعا کا رواج ہے اور وہ نماز مغرب سے پہلے یا عوتی کام پر نکلتے وقت پڑھتے ہیں۔ مگر ترکی کے طلبۂ نور کا یہ حال ہے کہ ہر شخص کی جیب میں یہ مجموعہ ہوتا ہے، سفر

میں ہو یا حضر میں جب اُسے تنہائی میسر آتی ہے تو وہ یہ مجموعہ کھول لیتا ہے ۔

موئے مبارک کی زیارت محمد شوکت صاحب سے اجازت لے کر ایک مسجد کا رُخ کیا تاکہ نماز عشا اور نماز تراویح میں شمولیت کی جا سکے ۔ نماز کے بعد میری انقرہ کو روانگی ہے ۔ دوستوں نے ایک بس میں میری سیٹ بک کرالی ہے ۔ ریل کے بجائے بس کا سفر ترک دوستوں کے مشورہ پر مبنی ہے ۔ ان کی رائے ہے کہ چونکہ بسیں ایئر کنڈیشنڈ ہیں اس لیے رات آرام سے گزرے گی اور فجر کی اذان انقرہ میں سُنی جا سکے گی ۔ قریب ایک مسجد میں جسے جامع خوجہ پاشا کہتے ہیں داخل ہوئے تو مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھر رہی تھی ۔ ہمیں دوسری منزل پر بمشکل جگہ مل سکی ۔ رمضان المبارک ختم ہو رہا ہے ۔ ہر برنا و پیر رمضان کو الوداع کرنے میں جذب و شوق سے حصہ لے رہا ہے ۔ پاکستان کی طرح یہاں بھی کم عمر بچے رونق میں اضافہ کر رہے ہیں ۔ مگر ان کی تربیت ایسی ہے کہ شور و غل نہیں مچاتے ۔ بلکہ نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں ۔ ساتھیوں کے بارے میں میرا خیال تھا کہ دن بھر کے تھکے ماندے عشاء کی نماز پر کفایت کریں گے اور تراویح کی بیس رکعت کی ہمت نہ پا سکیں گے ۔ مگر انہوں نے خود بھی بیس رکعت تراویح ادا کی اور مجھے بھی حوصلہ ہو گیا ۔ قاری صاحب کی تلاوت کے سوز اور پھر ہر چار رکعت پر نمازیوں کے باآواز بلند درود شریف پڑھنے نے شوق کو مہمیز لگائی ۔ نماز تراویح کے بعد اعلان ہوا کہ " بال مبارک کی زیارت ہو گی "۔ عثمانی خلفاء کے عہد سے جو تبرکاتِ نبوی آستانہ میں موجود ہیں اُن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک بھی ہے ۔ ہر سال رمضان المبارک کے عشرۂ آخر میں استنبول انقرہ اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں موئے مبارک کی زیارت ہوتی ہے ۔ حاضرین مسنون درود شریف پڑھتے جاتے تھے اور باری باری امام صاحب کے ہاتھ سے موئے مبارک کو بوسہ دیتے جاتے تھے ۔ صحت و عدم صحت سے قطع نظر موئے مبارک سے حاضرین کی محبت و عشق کا منظر دیدنی تھا ۔

انقرہ کی طرف ہم ہوٹل آ کر سامان لیا اور اتمت کمپنی کی بس کے دفتر میں آ گئے ۔ ہوٹل میں منیجر صاحب سے جب ہوٹل کا بل طلب کیا تو انہوں نے یکایک یہ انکشاف کیا کہ تگن کے ایڈیٹر محمد شوکت ایجی صاحب کی طرف سے بل ادا کر دیا گیا ہے ۔ اور جب بس کا ٹکٹ خریدنے لگا تو معلوم ہوا کہ گذشتہ رات مدرسہ امام و خطیب میں اسماعیل دائے نامی جن صاحب سے کتابوں کی نشر و اشاعت کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی تھی وہ میرے

لیے ٹکٹ خرید چکے ہیں۔ استنبول میں راقم الحروف کے یہ دو دن بھرپور گزرے ہیں۔ شہر کی سیاحت بھی کی ہے۔ بعض قابل دید مقامات بھی دیکھے ہیں۔ مگر استنبول نے مجھے ایک ترکی لیرہ بھی خرچ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ ہوائی اڈہ سے عمر ہوٹل تک ٹیکسی والے نے چند لیرے لیے۔ اس کے بعد عبدالقادر سیزگین نے محبت کی ایسی طرح ڈالی کہ استنبول سے انقرہ روانہ ہوتے وقت تک تبرّکاً بھی ہاتھ جیب تک نہ جا سکے۔

"انقرہ سے واپس استنبول آؤں گا"۔ یہ جملہ بار بار زبان پر آجاتا۔ دل کی خواہش بھی یہ تھی اور دوستوں کا تقاضا بھی۔ مگر اس کے باوجود استنبول کی مفارقت گراں گزر رہی تھی۔ بڑی دل گرفتگی کے عالم میں "اتمت بس" میں سوار ہوا۔ اور جب تک بس نے حرکت نہیں کر لی نائف آفندی، پروفیسر عزیز، استاد یوسف، عبدالقادر سیزگین اور دو تین اور اصحاب مجھ سے جدا نہ ہوئے۔ (باقی)

A PHILOSOPHICAL INTERPRETATION OF HISTORY

(تاریخ کی فلسفیانہ تعبیر)

عبدالحمید صدیقی کے قلم سے:

"تاریخ کے مادی اور غیر اسلامی نظریات کا ناقدانہ جائزہ،
اور اسلام کے فلسفۂ تاریخ کی تشریح و توضیح۔

سائز ۱۸×۲۲ کاغذ سفید طباعت دیدہ زیب۔

قیمت:- قسم اول: دس روپے۔ قسم دوم: چھ روپے ۵۰ پیسے

اِدارۂ نشریات اسلام

چوک مینار، انارکلی، لاہور